متن جلد۴، شمارہ۲(جولائی تاد سمبر ۲۰۲۳ء) ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

محمد خالد اختر اور مشتاق احمد یوسفی کے کرداروں کا تقابلی جائزہ

A comparative analysis of the characters of M. Khalid Akhtar & Mushtaq Ahmed Yousufi

[i] عائشہ مجید [ii] ڈاکٹر عذرا پروین

Abstract:

The characters of Muhammad Khalid Akhtar and Mushtaq Ahmad Yousufi are a fine addition to the tradition of comic characterization of Urdu humour. Muhammad Khalid Akhtar's comic characters stand out in the comics with their uniqueness and similarity. Unlike Jati, the comic characters of Mushtaq Ahmad Yousufi can be divided into different categories. There are characters based on nostalgia, local and immigrant characters, characters presenting society's perversions and moral and cultural decline. Therefore, each character of Yusufi has its own individual characteristics and Yusufi's characters are brought before us in crowds and every character. With their individual qualities and looking different and different from other characters, they manage to get the place of living and living characters in Urdu comic character writing.

Keywords: *Comic Characterization, Immigrant Characters, Nostalgia, Moral and Cultural Decline, Uniqueness.*

محمد خالد اختر اور مشتاق احمد یوسفی کے کردار اردو مزاح کی روایت میں ایک عمدہ اضافہ ہیں۔ محمد خالد اختر کے مزاحیہ کردار اپنی انفرادیت اور مماثلت کے ساتھ نمایاں ہیں۔ مشتاق احمد یوسفی کے مزاحیہ کرداروں کو مختلف زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن میں ناسٹلجک مقامی اور بدیسی کردار ، معاشرے کے بگاڑ اور اخلاقی و ثقافتی زوال کو پیش کرنے والے کردار شامل ہیں۔ اس لیے یوسفی کے ہر کردار کی اپنی انفرادی خصوصیات ہیں اور یوسفی کے کردار ہمارے سامنے ہجوم اور ہر کردار میں لائے جاتے ہیں۔ اپنی انفرادی خوبیوں کے ساتھ اور دوسرے کرداروں سے مختلف نظر آنے کی وجہ سے وہ اردو مزاحیہ کردار نگاری میں جاندار اور زندہ کرداروں کا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ مقالہ ان دونوں مزاح نگاروں کے تقابل پر مشتمل ہے۔

کلیدی الفاظ: مزاحیہ کردار نگاری ، تارکین وطن کے کردار ، پرانی یادیں ، اخلاقی اور ثقافتی زوال ، انفرادیت۔

طنز ومزاح کو اردو ادب میں ایک ہی صنف خیال کیا جاتا رہا ہے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم قرار دیا جاتا رہا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے کیوں کہ ان دونوں کا اسلوب، مقاصد اور ذہنی رویے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں جہاں تک مزاح کا تعلق ہے تو یہ معاشرے میں پائی جانے والی عدم یکسانیت اور بے ڈھنگے پن کا نتیجہ ہوتا ہے جب انسانی خواہشات کی تکمیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ آجائے تو پھر انسان ہنسی اور مزاح کا دامن تھامتا ہے اور پھر اسی باتوں پر ہنسی مزاح کیا جاتا ہے جو یقین سے بالاتر ہوں اور عقل سے بہت دور ہوں اس کے علاوہ بھی مزاح کے اور کئی عوامل ہو سکتے ہیں جیسا کہ میکانکی نظام حیات یکسانیت کے خلاف رد عمل، پریشانیوں اور ذمہ داریوں سے وقتی نجات اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں کے درد کا احساس وغیرہ

[i] اسکالر پی ایچ ڈی (اردو)، دی ویمن یونی ورسٹی ، ملتان۔

[ii] صدر نشین شعبہ اُردو ، دی ویمن یونی ورسٹی ، ملتان۔ (Corresponding Author)

پھر یہی وہ مزاح ہے جو بے رنگ و نور زندگی میں رنگ بھر دیت ہے۔بے کیف زندگی میں مسرت و شادمانی عطا کرتا ہے اور خوش دلی کے جذبات کو پروان چڑھاتا ہے۔

اس کے برعکس طنز کا معاملہ مختلف ہے طنز کا عمل جراحی اور مقصدی ہے اس لیے طنز میں مقصدیت کو اولین اہمیت حاصل ہے طنز میں سے مقصدیت کو نکال دیا جائے تو یہ محض ہجو اور تنقیص بن کر رہ جائے اس لیے مختلف طنز نگار، حکیموں کی طرح طنز کی کڑوی اور کسیلی دوا کو مزاح کی مٹھائی میں پیش کر کے کھلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے مقصد کو حاصل کرتے ہیں لہٰذا طنز و مزاح اکثر و بشیر یکجا نظر آتے ہیں۔

طنز و مزاح شعر و ادب کی مختلف اصناف میں جزوی طور پر پایا جاتا ہے لیکن نثری ادب میں مزاح اپنے مختلف محرکات اور امتیازی خصوصیات اور جداگانہ نوعیت کے انداز کا حامل ہونے کے باعث جداگانہ مقام اور پہچان رکھتا ہے دوسرے ظرافت و مزاح کے لازمی عناصر مثلاً ذکاوت حسن،احساس تناسب،ذوق لطیف، زندہ دلی، شوخی و بانکپن طنز و مزاح میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور ظرافت کے ذریعے ہی زندگی کی تلخیوں، حالات کی بے اعتدالیوں، معاشرتی و تہذیبی خرابیوں، معاشرے میں موجود افراد کی سیرت کی کمزوریوں اور خامیوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔مزاح کے نتیجے میں برائیوں کی تپش اور تلخیوں اور غموں کی شدت میں کمی واقع ہوتی ہے یعنی زبان و بیان کا بھرم بھی برقرار رہتا ہے اور قاری کی سماعت کا زخمی ہونے کا خطرہ بھی نہیں رہتا۔ وزیر آغا کے بقول:

> ’’طنز بنیادی طور پر ایک ایسے باشعور حساس اور دردمند انسان کے ردعمل کا نتیجہ ہے جس کو ماحول کی ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں نے تختہ مشق بنالیا ہو۔‘‘[1]

اس کے برعکس رشید احمد صدیقی مزاح کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

> ’’مزاح نگار کا مقصد ضرر رسائی کبھی بھی نہیں ہوتا اس کا مطمح نظر اصلاحی اور افادی ہوتا یہ بات اور ہے کہ اس کے طنز کے تیروں کا نشانہ بننے کے بعد ہمارے اندر احساس نفس جاگ جائے لیکن یہ مزاح کا مقصد اولین نہیں ہوتا۔‘‘[2]

طنز و مزاح میں ذہنی رویے،اسلوب اور مقاصد میں فرق ہونے کے باوجود اردو ادب میں طنز و

مزاح کا اتحاد نظر آتا ہے اور خالص مزاح اور خالص طنز کے نمونے بہت کم ہیں اور طنز و مزاح کا اتحاد نظم و نثر دونوں میں ملتے ہیں۔ نثر میں طنز و مزاح کی تاریخ بہت پرانی نہیں اس لیے نثر میں طنز و مزاح کی روایت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اردو ادب میں طنز و مزاح آزادی سے پہلے

۲۔ اردو ادب میں طنز و مزاح آزادی کے بعد

آزادی سے پہلے اردو ادب میں طنز و مزاح کے ابتدائی نقوش غالب کی نثر میں دکھائی دیتے ہیں اس کے بعد سرشار، اکبر الٰہ آبادی، منشی سجاد حسین، مچھو بیگ ستم ظریف، احمد علی شوق، نواب سید محمد آزاد، جوالا پرشاد، سید ممتاز حسین، سید محفوظ علی بدایونی، مہدی افادی، خواجہ حسن نظامی، سجاد حیدر یلدرم، سلطان حیدر جوش، منشی پریم چند، سجاد علی انصاری، قاضی عبد الغفور، امتیاز علی تاج، ملا رموزی، شوکت تھانوی، عظیم بیگ چغتائی، مرزا فرحت اللہ بیگ، پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی اور ابو الکلام آزاد وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان میں بعض نے آزادی کے بعد بھی اپنا تخلیقی سفر جاری رکھا۔

آزادی کے بعد کے دور میں کرشن چندر، ڈاکٹر ظ۔ انصاری، ابن انشاء، شفیق الرحمٰن، کرنل محمد خان، محمد خالد اختر اور مشتاق احمد یوسفی کے نام قابل ذکر ہیں۔

ان تمام مزاح نگاروں کی مزاح نگاری کے حربوں میں کردار نگاری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ عام بیان میں کردار سے مراد کسی بھی شخص کا عمل، رویہ، طرز عمل، اس کے اخلاقی و ذہنی، اوصاف اور خصائص اُس کا کردار کہلاتا ہے یہ کردار انسان کی پہچان کی وجہ بنتا ہے اور معاشرے میں اس کو دیگر کرداروں سے ممتاز و منفرد بھی بناتا ہے:

> ''کردار ان انفرادی خصوصیات کا نام ہے جن کی وجہ سے ایک شخصیت دوسری شخصیت سے ممتاز ہوتی ہے۔''[3]

کردار کی پیش کش کے مختلف طریقے ہیں لیکن تشکیلی مرحلہ میں کردار کو پیش کرنے کے دو

طریقے رائج ہیں ایک خارجی طریقہ جب کہ دوسرا داخلی طریقہ ہے خارجی طریقہ جس میں فرد کے جذبات و احساسات کی بجائے صرف ظاہری تصویر کشی اور خدوخال پر زور دیا جاتا ہے جب کہ داخلی طریقہ میں کردار کے احساسات و جذبات اور طرز فکر شامل ہوتی ہے۔ بلحاظ اقسام کردار دو قسم کے ہوتے ہیں فلیٹ کردار اور راؤنڈ کردار جو کردار حالات و واقعات کے ساتھ تبدیل ہو جاتے ہیں ان کو راؤنڈ کردار کہتے ہیں جیسا کہ مرزا ہادی رسو کے امراؤ جان ادا اور سلطان مرزا جب کہ اس کے برعکس جو کردار ارتقاء سے محروم رہ جاتے ہیں وہ سپاٹ یا فلیٹ کردار کہلاتے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کرداروں کی تقسیم اس طرح کرتے ہیں:

> ''کردار دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اول سے آخر تک ایک ہی حالت میں قائم رہتے ہیں اور زمانے کے نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد بھی ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آتی ایسے بے لچک کرداروں کو جامد کہتے ہیں دوسری قسم کے کردار ارتقائی کہلاتے ہیں ارتقائی کردار رفتہ رفتہ رنگ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔'' [4]

مزاح کے اعتبار سے بھی کردار کی دو اقسام ہیں سنجیدہ کردار اور مزاحیہ کردار۔ مزاحیہ کرداروں کے ذریعے ایک مزاح نگار معاشرتی بگاڑ، بُرائیوں اور کج رویوں کی بھرپور عکاسی کرتا ہے اس لیے یہ کردار ہمارے معاشرے کا اہم رکن کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں اور ہمارے ارد گرد کے ماحول کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ مزاحیہ کردار اپنی حرکات، گفتگو، بے وقوفیوں اور حماقتوں سے مزاح پیدا کرتا ہے اس طرح یہ قاری کے لیے تفریح کا سامان پیدا کرتے ہیں اور ان کے ذریعے ماحول میں مضحکہ خیزی کا عنصر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مزاحیہ کردار کی ایک صفت یہ بھی ہوتی ہے کی یہ اپنی طبعیت میں لچک کا فقدان ہونے کے باعث کبھی خود کو نہیں بدلتے اور حالات اور تقاضوں سے مفاہمت کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور نہ ہی ایک نارمل انسان کی طرح حالات و واقعات سے سمجھوتا کرتے ہیں۔ اشفاق احمد ورک اس بارے میں کہتے ہیں:

> ''نثر نگاری میں مزاح کا ایک کامیاب اور سب سے پرانا حربہ مزاحیہ کردار ہے یہ کردار عام طور پر غیر لچک دار شخصیت کے حامل ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھالنے کی بجائے ان سے عجیب و غریب انداز میں ٹکراتے ہیں۔۔۔۔۔'' [5]

جب ہم اردو ادب میں مزاحیہ کردار نگاری کی روایت پر نظر ڈالتے ہیں تو دو ایسے مزاح نگار دکھائی دیتے ہیں جنھوں نے ایسے مزاحیہ کردار پیش کیے جو معاشرے کی کج رویوں اور معاشرتی بگاڑ کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے زندہ و جاوید کردار ہیں یہ کردار محمد خالد اختر صاحب اور مشتاق احمد یوسفی صاحب کے ہیں۔

محمد خالد اختر اردو مزاح نگاری کا ایک اہم حوالہ ہے ان کے مزاحیہ کرداروں میں "اقبال چنگیزی" قابل ذکر ہے جو ادب پسند قسم کا ایک شخص ہے اپنی ادب پسندی کے باعث ادیبوں کے آٹو گراف لیتا ہے اس کے اندر کئی معاشرتی خامیاں موجود ہیں۔ دوست بنانا اور ان سے بار بار ادھار لینے سے بھی گریز نہ کرنے کو معیوب نہیں سمجھتا۔ اس کردار میں تصنع اور بناوٹ کا عنصر بھی پایا جاتا ہے اپنے نام کے ساتھ چنگیزی بھی فخر محسوس کرنے کے لیے لگاتا ہے:

> "پہلے پہل ہمارے خاندان میں کوئی چنگیزی نہ تھا میں خالی خولی اقبال حسین تھا ایک دن میرے بزرگوار جو سیالکوٹ میں محرر چونگی تھے پرانے کاغذات کی ورق گردانی کرتے ہوئے دریافت کیا کہ ہم چنگیزی ہیں ذرا تصور تو کرو کہ ہم عرصہ یہ جانے بغیر ہی جیتے رہے کہ ہم چنگیزی ہیں۔۔۔۔" [6]

شیخ قربان کٹار خالد صاحب کا ایک اور مزاحیہ کردار ہے جو ان کے ناول "چاکیواڑہ میں وصال" کا ہیرو ہے اور تصنع اور بناوٹ کے باعث خود کو ایس کیو اے کٹار کہلانا پسند کرتا ہے۔ وہ ایک ناکام عاشق اور بد صورت شخص ہے جس کا رنگ سیاہ اور چہرے پر چیچک کے داغ کے ساتھ ایسا شخص ہے جس سے کوئی عورت محبت نہیں کرتی۔ لیکن وہ ایک عورت کے یک طرفہ محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس کی محبت اسے عجیب و غریب حرکات سرزد کرواتی ہے جیسے وہ کئی کئی گاؤن اور ٹوپی پہنے رکھتا ہے کیونکہ اس نے کہیں سن لیا تھا کی اس کی یک طرفہ محوبہ پروفیس سے شادی کا ارادہ رکھتی ھے۔ شیخ کٹار ایک ایسا کردار ہے جس نے اپنے دروازے پر تختی لگا رکھی ہے جس پر لکھا ہے "مصور فطرت، نباض لسانیات شاہ اسرار حضرت ایس کیو علی کٹار گوجرانوالیوی"۔ شیخ کٹار ایک مدت تک بغیر غسل اور قمیض بدلے محض اس لیے رہتا ہے کہ اسے ڈر ہے کہ

اگر ایک دفعہ ٹائی کھل گئ تو دوبارہ باندھ نہیں سکے گا۔ غرض یہ کہانی اس کے ناکام عشق کی تھی جسے کامیاب بنانے کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی لگاتا ہے۔ وہ تعویذ بھی لیتا ہے اور پلان بھی تیار کئے جن پر عمل کرنے کے لیے اپنی نوکری تک کو خیر آباد کہہ دیا خالد اختر اس کردار کی ناہمواری اور تضاد کی کیفیت سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ ان کرداروں کے بارے میں رؤف پاریکھ لکھتے ہیں:

> ''محمد خالد اختر نے پروفیسر شاہسوار جیسے جعلساز اور قربان علی کٹار جیسے مفت خورے کردار پیش کرکے نہ صرف ان کی صورت میں معاشرے میں ان جیسے لوگوں پر طنز کیا ہے بلکہ چاکیواڑہ کے مقامی عناصر کو بھی بیان کیا ہے۔'' [7]

محمد خالد اختر کے دو مشہور و معروف مزاحیہ کردار چچا عبد الباقی اور بھتیجا بختیار خلجی ہیں یہ کردار اکثر غلط اندازوں اور اپنی حماقتوں کی وجہ سے اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ عبد الباقی عیار، حاضر جواب باتونی قسم کا آدمی ہے جسے ہمیشہ دور کی سوجھتی ہے اور جو ہر ناکامی کے بعد بھرپور دلائل سے پچھلے پروگرام کی ناکامی کی وجوہات بیان کرکے بھتیجے بختیار کو رضامند اور مطمئن کر لیتا ہے اور بختیار خلجی اپنی سادگی، بے وقوفی اور چمک دار مستقبل کی نوید سن کر چچا کے احترام کی وجہ سے ہر بار نئے منصوبے پر رقم لگانے پر تیار ہو جاتا ہے کیوں کہ چچا کی اسکیمیں اتنی اعلیٰ اور پر جدت و پر کشش ہوتی ہیں کہ آدمی کے تخیل کو چکا چوند کر دیتی ہیں عبد الباقی بیک وقت چالاک بھی ہے اور معصوم بھی اس لیے پڑھنے والوں کو اس کی چالاکیوں پر غصہ نہیں پیار آتا ہے اشفاق ورک اس کردار کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

> '' چچا عبد الباقی ایک تخلیقی کردار ہے جو حقیقت گریزی سے مل کر بنایا گیا ہے چچا عبد الباقی کی عیاری اور سادگی مل کر اسے ایک نیا سماجی مظہر بنانے میں معاون ہیں اور چچا عبد الباقی معاشرے پر طنز بھی ہے اور میٹروپولٹن شہروں کی اخلاقی کش مکش کا آئینہ بھی۔'' [8]

چچا عبد الباقی ہر کام کو جمہوری طریقے سے کرنے کا عادی ہے اور دوسروں کی جیبوں کا مال بھانپ لیتے ہیں بختیار خلجی اس کے بر عکس ایک بھولا بھالا بڑا مرعوب قسم کا کردار ہے جو چچا کے حکم کے آگے چوں چرا نہیں کرتا وہ چچا کو بار بار ادھار دینے کے باوجود خود اعتمادی کی کمی ہونے کی وجہ سے رقم واپس مانگنے کی

جسارت نہیں کر سکتا۔

محمد خالد اختر کے دو اور مزاحیہ کردار مسٹر یو یو اور سارجنٹ بز خر ہیں ان میں وہی سادہ لوحی، بھولا پن وہی احمقانہ حرکات وہی نئے نئے منصوبے اور مسلسل ناکامیاں موجود ہیں جو عبد الباقی اور بختیار خلجی میں پائی جاتی ہیں۔

اگر محمد خالد اختر کی کردار نگاری پر بحث کی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے معاشرتی ناہمواریوں اور برائیوں کو مختلف کرداروں کے لازوال رنگوں کے ساتھ بیان کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے کردار زندہ جاوید ہو گئے ہیں محمد خالد اختر کی تخیلاتی اور مشاہداتی قوت سے متاثر ہوئے بغیر قاری رہ نہیں سکتا اور ان کے کردار گردوپیش کے حالات سے تیزی سے بدلتی ہوئی سماجی قدروں، معاشرتی کج رویوں سماجی بگاڑ کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ آنے والے مزاح نگاروں کے لیے مشعل راہ بھی ہیں۔

مشتاق احمد یوسفی مزاح نگاری کا ایک سنہرا باب ہیں انھوں نے مزاحیہ نگاری میں اپنے دلکش و دل نشیں کرداروں کے ساتھ بہت عمدہ اضافہ کیا ہے ان کے کرداروں کو چند زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مثلاً ناسٹلجیا میں مبتلا کردار یہ ناسٹلجیا ایسے لوگوں کا ناسٹلجیا ہے جو ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان چھوڑ کر اپنے خوابوں کی سرزمین پاکستان آ گئے لیکن یہاں انھیں پہلے جیسا کچھ دکھائی نہیں دیتا تو انھیں اپن بچپن، لڑکپن، جوانی، دوست احباب اور گذشتہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کی یاد ستاتی ہے یہ یاد ان کو حال کی تلخیوں اور بے بسیوں سے فرار کی ایک راہ فراہم کرتی ہے لیکن اُس کے ساتھ ساتھ مستقبل اور حال کی تشکیل کی راہ میں رکاوٹ۔۔ بن جاتی ہے۔ان کرداروں میں بشارت علی فاروقی، آغا تلمیذ الرحمٰن، عبدالرحمٰن قالب اور قبلہ صاحب شامل ہیں۔ ناسٹلجیا میں مبتلا کرداروں میں عبد الرحمٰن قالب اخبار پڑھنے کے شوقین ہیں اور اپنے آبائی وطن بلند شہر سے پیار کرنے والا ایک کردار ہے آبائی وطن چھوڑنے کے بعد وہ کراچی آئے لیکن یہاں آکر ہمیشہ اپنے شہر کے گن گاتے رہتے آغا تلمیذ الرحمٰن چاکسوری ناسٹلجیا میں مبتلا ایک شاہکار کردار ہے اس کا اوڑھنا بچھونا چلنا پھرنا سانس لینا سب ماضی میں ہے اس کردار کا المیہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک دنیا کی تمام ترقی بلکہ اردو میں بھی جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ سب کا سب ماضی میں ہو چکا ہے ان کی زندگی ماضی پرستی کے نقطہ پر آ

کر ساکن ہو گئی ہے ماضی کی اندھا دھند تقلید کرتے کرتے نفسیاتی تنہائی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ناسٹلجیا میں مبتلا ایک دلچسپ و توانا کردار قبلہ جی کا ہے اس کردار کے ذریعے یوسفی نے ہجرت کے تجربے اُس کے اثرات کو کردار قبلہ جی کا ہے اس کردار کے ذریعے یوسفی نے ہجرت کے تجربے اُس کے اثرات کو جامعیت کے ساتھ دیکھا ہے یہاں کیا ہے ہجرت کے بعد تمام اثرات اپنی ہمہ گیریت اور پہلوداری کے ساتھ ان کی شخصیت پر وارد ہوتے ہیں اس کردار کے ذریعے یوسفی نے فسادات، بے سروسامانی، آباد کاری، نئی طبقاتی تقسیم اور ثقافتی مسائل کو پیش کیا نئے معاشرے میں سماجی معیارات بھی تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں اور کارخانوں کے مالک کشادہ حویلیوں اور کوٹھیوں میں رہنے والے کئی ایسے افراد بھی تھے جو اب کوارٹروں اور جھگیوں میں پڑے تھے کئی ایسے بھی تھے جو تقسیم سے پہلے معمولی زندگی بسر کر رہے تھے مگر انقلاب نے ان کی زندگی سنوار دی اور یہ لوگ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بن گئے قبلہ کا کردار بھی معاشرے کے ایک ایسے فرد کا ہے جو کانپور میں ایک حویلی کے مالک سید خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کو اپنی اعلیٰ نسبی اور سماجی حیثیت کا بڑا احساس تھا جب وہ ہجرت کے بعد پاکستان آئے تو ان کی خواہش تھی کہ پاکستان میں بھی انھیں وہی سماجی حیثیت حاصل ہو لیکن یہاں آکر ان کی خواہش پوری نہ ہوئی الاٹ منٹ کی درخواست تین مہینوں تک دفتروں کے دھکے کھانے کے بعد بے سروسامان بیٹی کے گھر رہنے پر مجبور ہو گئے قبلہ صاحب کا رویہ اس صورت حال کی ترجمانی کرتا ہے کہ ہجرت نے کرداروں میں غیر معمولی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں یہ لوگ اپنے اصولوں پر سمجھوتا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے لوگوں کو اپنی بقاء کے لیے اپنی عزت اور وضع داری کی قربانی دینا پڑی انتظامی اور عملی سطح پر پائی جانے والی بد نظمی افراتفری اور انتشار نے قبلہ صاحب کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کیے خارجی شکست و ریخت نے ان کے داخل کو بھی ہلا کر رکھ دیا پاکستان سے جو توقعات وہ وابستہ کرکے آئے تھے گردوپیش کے حالات نے انھیں یکسر غلط ثابت کر دیا تھا مایوسی لاحاصلی بے گھری اور بے زمینی کا یہ کرب کئی قسم کی نفسیاتی پیچیدگیوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے پھر قبلہ صاحب ایک ایسے کرداروں کے نمائندہ بن کر سامنے آتے ہیں جو خارجی ماحول سے ہم آہنگ نہ ہو سکے اور داخلی جنگ پر مجبور ہو گئے نئے معاشرے میں ان کی شناخت مشکوک تھی ہجرت کے کرب اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل نے ان کے اندر جڑوں کی تلاش اور اپنی اصل سے جڑے رہنے کی شدید خواہش کو جنم دیا اپنے پس منظر

سے جدا ہو کر یہ سمجھتے تھے کہ ان کی شناخت معدوم ہو گئی ہے قبلہ کو اپنے خاندانی جاہ و جلال۔ نجیب الطرفین سادات ہونے کا بڑا احساس ہے یہی وجہ تھی کہ قبلہ اپنا شجرہ نسب اور حویلی کا فوٹو ساتھ لائے یہ دونوں چیزیں ان کے شان دار ماضی کی یاد تھیں قبلہ اپنا شجرہ نسب بہت سنبھال کر رکھتے اور اس کا ذکر بڑے فخر سے کرتے وہ ہر آنے جانے اور ملنے والے کو حویلی کا فوٹو ضرور دکھاتے کہ یہ چھوڑ کر آئے ہیں کے مختصر جملے میں ہجرت بے سروسامانی جڑوں کی تلاش اور ناسٹلجیا کی کیفیت مجسم ہو کر رہ گئی ہے۔ ناسٹلجیا میں مبتلا ایک اور کردار بشارت علی فاروقی کا ہے اس کردار میں یوسفی نے یو۔پی کے نوجوان اور ایک مہاجر کی باطنی کیفیات اور نفسیاتی تجربات کو دردمندی سے بیان کیا ہے بشارت علی فاروقی گریجویٹ اور قبلہ کے داماد تھے وہ بھی خاندانی طور پر لکڑی کے کاروبار سے وابستہ تھے ہجرت کے بعد کراچی میں مقیم ہوئے اور لکڑی کا کاروبار شروع کیا جلد ہی ان کا کاروبار چلنے لگا اور وہ اپنی معیشت کو مستحکم کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ساتویں دہائی میں جب ان کی اہلیہ کا انتقال ہوتا ہے اور اہلیہ کے ساتھ رفاقت کے ۴۵ سال ختم ہوئے تو بشارت اداسی اور تنہائی کی کیفیات کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنے ماضی کی یاد شدت سے آنے لگتی ہے ماضی کا ایک ایک ورق ان کی آنکھوں کے سامنے کھل جاتا ہے اور جب ماضی کی یاد شدت اختیار کرتی ہے تو وہ کانپور جاتے ہیں لیکن کانپور کے تغیرات دیکھ کر بشارت پر مایوسی کی کیفیات طاری ہو جاتی ہیں اور وہ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ عمر عزیز کا نصف حصہ خواہ مخواہ ان کی یاد میں بسر کیا اور وہ اپنے حال سے مفاہمت کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد معاشرے میں زندگی کے دو رخ سامنے آئے ایک مقامی کرداروں اور دوسرے مہاجر کرداروں کا ہمارے ہاں مقامی کردار اور مہاجر کرداروں میں ایک عداوت ایک نفرت کا عنصر غالب نظر آتا ہے مہاجر کردار جو ہجرت کر کے پاکستان آئے اور کسمپرسی اور ذلت و بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ان حالات نے اُنھیں ذہنی سے زیادہ جسمانی طور پر متاثر کیا اور کچھ افراد غیر انسانی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے جن کو زندگی کی بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں ایسے ہی کردار کی عکاسی یوسفی مولوی کرامت حسین کے ذریعے کرتے ہیں۔ مشتاق یوسفی نے اس کردار کے ذریعے لیاری میں قیام پذیر مہاجرین کی کسمپرسی، غربت اور بے بسی کی عکاسی کی ہے۔ مولانا کرامت حسین کراچی کی تنگ تاریک بستی کے رہائشی ہیں۔ جہاں

انھیں زندگی کی بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں۔ اور مہاجرین کے برعکس مقامی لوگوں کے انداز میں جاگیردارانہ رنگ جھلکتا ہے ایسے کرداروں کا نمائندہ کردار اورنگ زیب خان کا ہے خان صاحب پشاور کے رہنے والے ہیں ان کے رہن سہن اور تزک و احتشام میں جاگیردارانہ نظام کی بو باس آتی ہے۔

تقسیم اور ہجرت کے بعد زندگی میں انقلاب کا رویہ پروان چڑھتا ہے اور جو لوگ بے بسی کی زندگی گزارتے تھے ان کی زندگی سنور جاتی ہے اور بعض امیر وکبیر لوگ بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور جن لوگوں کی زندگی ہجرت و تقسیم نے سنوار دی انھوں نے اپنی شناخت پر شرمندگی کی وجہ سے اپنے والد جنھوں نے محنت مزدوری کرکے انھیں پالا ہے ان کا نام اور پیشہ بھی تبدیل کر دیتے ہیں ان کرداروں میں وحید الزماں بیگ کا کردار شامل ہے وحید الزماں بیگ بشارت کا ملازم ہے۔اصل نام بدھن ہے قدیم پیشے کے اعتبار سے نائی ہے دنیا کا کوئی ایسا کام نہیں جس کو اس نے نہ کیا ہو اس کا تعلیم یافتہ بیٹا باپ کے نائی ہونے سے ذلت محسوس کرتے ہوئے نہ صرف اپنے باپ کے پیشے کو بدلتا ہے بلکہ اس کے نام کو بھی تبدیل کرکے وحید الزمان بیگ رکھ دیتا ہے یوسفی کا ایک اور ایسا ہی کردار ریمنر ڈن کا ہے جنہوں نے معاشی حالات بدلتے ہی اپنے والد مرحوم کو انسپکٹر کسٹم سے پروموٹ کرکے جوائنٹ سکریٹری کے عہدے پر پہنچا دیا۔

یوسفی کے دوسرے زمروں کے کرداروں میں وہ کردار شامل ہیں جن کے ذریعے یوسفی طنز و مزاح کے پیرائے میں معاشرتی برائیوں، ناسوروں اور تلخ سچائیوں کا اظہار اور مثلاً توہم پرستی، ضعیف الاعتقادی، ملکی صورت حال حکومتی رویے، سیاسی حوالے، علم الحیوانات، معاشرتی رسوم و رواج، معاشرتی حقائق، تہذیبی نظام واقدار کی زوال پذیری، مغرب زدگی، قرض اور مقروض اخلاقی بے اعتدالی سے پردہ کشائی کرتے ہیں ان کرداروں میں مرزا عبدالودود بیگ کا نام سرفہرست ہے جس کو یوسفی اپنا ہمزاد بھی کہتے ہیں۔ یہ کردار مشتاق احمد یوسفی کے ہاں خاص اہمیت کا حامل ہے۔اپنی رائے رکھنے، موقع بے موقع مشورہ دینے، سگریٹ پینے، میت کی بے جا تعریف کرنے، بہت زیادہ کھانے، وہمی طبعیت رکھنے، ضد، بحث، ہٹ دھرمی، دوسروں کی کردار کشی کرنا، تنقید کو اولین فرض سمجھنا، بسیار خوری، دوسروں کے معاملات میں مداخلت کرنا حسی صفات سے ترتیب پانے والا یہ کردار ہمارے معاشرے کا نمائندہ کردار ہے اس حوالے سے

احسن فاروقی کی رائے ملاحظہ ہو:

"یہ کردار ہماری بالکل روایات اور یوسفی کے تجربے کی چیز ہے وہ حماقتیں جو ہمارے معاشرے کی حماقتیں ہیں اس کے اندر اسی زور اور استقلال سے موجود ہیں جیسی ہمارے معاشرے میں ملتی ہیں۔" [9]

اُسی قسم کا ایک اور کردار شیخ صبغت اللہ صبغے کا ہے اس کا کردار ایک ایسے کتب فروش کا ہے جو دور حاضر کے تقاضوں سے کوئی سمجھوتا نہیں کر سکتا وہ اپنی پسند کی کتابوں کو صرف ایسے گاہک کو ہی فروخت کرتا ہے جس کا تلفظ درست ہو۔ یہ کردار معیار اور اعلیٰ ذوقی کا نمائندہ ہے۔ "عبد القدوس" کا کردار ایک ایسا کردار ہے جو دن بھر آرام کرسی پر اونگھنے اور رات کو پلنگ پر سونے اپنے پیشے سے تنگ، حد درجہ نرم دل رکھنے والا، صنف نازک کے معاملے میں جذبات میں شدت اختیار کرنے والا، دوسرے کے مقابلے میں خود کو بدتر محسوس کرنے والا، ذمہ داریوں سے بھاگنے والا ایک ایسا بے عمل اور بد دماغ کردار ہے جس کے ذریعے سے یوسفی نے معاشرے میں موجود بد عملیوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ ولیم اینڈرسن اور یعقوب الحسن غوری کے کردار کے ذریعے یوسفی نے مغرب زدگی کے دو رخوں کو واضح کیا ہے ایک رخ جس میں حد سے زیادہ انگریزوں کی عزت و توقیر کی جاتی ہے اس کا نمائندہ کردار یعقوب الحسن غوری ہے جس میں انگریزی عزت اور تقویر کرنا بہت زیادہ پایا جاتا ہے جو انگریز زبان و لباس، طرز معاشرت، رہن سہن اور انگلش کو ہی ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں جب کہ اس کے بر عکس ولیم اینڈرسن کے ذریعے ہندوستان پر انگریزوں کے رعب و دبدبے کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔ انگریزوں نے برصغیر کے باشندوں سے جو ناروا سلوک کیا گیا اینڈرسن کے ذریعے اس کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی جہاں اپنے کرداروں کے ذریعے ماضی پسندی اور پرانی اقدار سے محبت کا اظہار کرتے ہیں تو وہیں ان کے کرداروں میں فرعوض جیسا کردار بھی دکھائی دیتا ہے جو اپنی عادات مثلا سیر و سیاحت کا شوقین ٹھیٹھ شہری وضع داری اور نئی اقدار کی نمائندگی کرنے والا کردار ہے۔

الغرض یوسفی نے جتنے بھی کردار پیش کیے ہیں کچھ تو مرکزی ہیں اور کچھ ضمنی نوعیت کے لیکن یہ

تمام کردار اپنی جگہ معاشرے کے مختلف رویوں، اقدار اور کیفیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

جب ہم مشتاق احمد یوسفی اور محمد خالد اختر کے کرداروں کا تقابلی جائزہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یوسفی کے کرداروں میں محمد خالد اختر کے کرداروں کی جھلک پائی جاتی ہے مثال کے طور پر صبغت اللہ صبغے کے کردار میں محمد خالد اختر کے کردار عبد الباقی کی واضح جھلک نمایاں ہے کاروبار کی ویسی ہی اسکیمیں، وہی طریقے اور آخرت میں ویسی ہی ناکامی اور نئی کاروباری سکیمیں سوچنے کی دھن، اسی طرح مرزا عبد الودود بیگ کے کردار میں بھی عبد الباقی واضح دکھائی دیتے ہیں۔ مرزا بھی عبد الباقی کی طرح دیکھنے میں سنجیدہ دوسروں کو مشورہ دینے میں پیش پیش، ذہین اور گہری نظر، رکھنے والا ہے۔ عبد القدوس کے کردار میں محمد خالد اختر کے کردار قربان علی کٹار کی جھلک واضح ہے۔ وہی بناوٹ اور تضع وہی عشق کرنے کی عادت ویسی ہی آرام طلبی ویسی ہی بدحواسی موجود ہے جہاں یوسفی کے کرداروں میں محمد خالد اختر کے کرداروں کی جھلک نظر آتی ہے وہیں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ محمد خالد اختر کے کردار معاشرے میں رہنے والوں کی نفسیاتی، ذہنی، اخلاقی اور سماجی و ثقافتی زندگی کے بہترین عکاس ہیں۔ محمد خالد اختر کی کردار نگاری میں مقامیت کا عنصر واضح ہے اور ان کے کردار ایک دوسرے سے یکسانیت رکھتے ہیں مثال کے طور پر عبد الباقی اور بختیار خلجی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے ہمیں یہ "چاکیواڑہ میں وصال میں قربان علی اور اقبال چنگیزی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں ان کرداروں میں وہی سادہ لوحی، بھولا پن، وہی بے وقوفانہ و احمقانہ حرکات و سکنات، وہی نئے نئے منصوبے اور مسلسل ناکامیاں موجود ہیں اور یہی سب خصوصیات ان کے بیس سو گیارہ کے کردار مسٹر یو یو اور سارجنٹ بزخر مین بھی موجود ہیں محمد خالد اختر کی کردار نگاری کے بارے میں اشفاق احمد ورک رقم طراز ہیں:

> "چچا عبد الباقی اور بختیار خلجی ایسے کردار ہیں یہ کردر اس سے پہلے ہمیں چاکیواڑہ میں وصال، میں قربان علی اور مسٹر چنگیزی کے روپ میں نظر آتے ہیں لیکن ہمارا یہ خیال ہے کہ محمد خالد اختر کے یہ دونوں مزاحیہ کردار اس سے پہلے بھی ہمیں بیس سو گیارہ میں مسٹر یو یو اور سارجنٹ بزخر کی صورت میں نظر آتے ہیں۔" [10]

جب کہ اس کے برعکس یوسفی کے کرداروں میں وسعت اور رنگارنگی پائی جاتی ہے ان کے ہاں کردار ہجوم در ہجوم آتے ہیں اور ہر کردار اپنی انفرادی خصوصیات رکھتا ہے ان کے کردار معاشرے سے متعلق مختلف طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں ان کے کردار حقیقت اور تخیل کا حسین امتزاج دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کرداروں پر حقیقت کا عنصر غالب ہے درحقیقت یہ کردار معاشرے کی فکر و اقدار، رویے، خیالات اور مزاج کی بہترین عکاسی کرکے زندہ و جاوید بن گئے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ ڈاکٹر وزیر آغا، اردو ادب میں طنز و مزاح (دہلی: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۰ء)، ۴۹۔۵۰۔
2۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، "طنز و ظرافت کی روایت"، مشمولہ: علی گڑھ میگزین (س۔ندارد)، ۱۷۲۰۔
3۔ سموئل اسمائلز، کریکٹر (کردار)، مترجمہ: سید صفی مرتضٰی (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، س۔ن)، ص ندارد۔
4۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، ناول نگاری (دہلی: الحمرا پبلی شرز، ۱۹۷۳ء)، ۳۰۔
5۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۴ء)، ۳۸۔
6۔ محمد خالد اختر، چاکیواڑہ میں وصال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء)، ۳۴۔
7۔ ڈاکٹر روف پاریکھ، اردو نثر میں مزاح نگاری (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۷ء)، ۳۸۰۔
8۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح، ۲۹۰۔
9۔ ڈاکٹر احسن فاروقی، اردو ناول کی تنقیدی تاریخ (کراچی: سندھ ساگر اکیڈمی، ۱۹۴۸ء)، ۴۹۔
10۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح، ۲۸۷۔